مولانا سید حامد میاں

المحدث الرحلة الشیخ

مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ سے میری ملاقات اس زمانہ سے ہے جب آپ نے ٹنڈوالہ یار سے آکر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت صرف دو کمرے بنے تھے، باقی پوری جگہ خالی تھی۔ ناہموار بھی تھی، چہار دیواری نامکمل تھی، یہ دو کمرے موجودہ مسجد کے شمالی مشرقی حصہ میں تھے۔ نیو ٹاؤن میں ایک دفعہ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب (جہانگیرہ) سے اور دوسری دفعہ مولانا کے ساتھ حضرت مولانا نافع گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی پھر بارہا شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی میں برکت دی اور جلد ہی اتنی عظیم مسجد اور بڑا مدرسہ جس کا کتب خانہ بھی بہت اچھا ہے، بن گیا اور بفضل خدا بہت سے ممالک بعیدہ کے طلبہ کا مرجع بن گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا المحترم کے لئے اس صدقہ جاریہ کو قائم رکھے۔ اس کا فیض مزید عام ہو۔

یہ مختصر مضمون تاثرات کا ایک خاکہ ہے۔

حضرت مولانا خود ارشاد فرماتے تھے کہ: میرے ساتھ حق تعالیٰ کے معاملات شروع ہی سے عجیب دغریب رہے ہیں اور بالکل آغاز زندگی سے حالات سنایا کرتے تھے۔ جب حصول علم کے لئے سفر شروع کیا اور افغانستان تشریف لے گئے۔ ان کی تفصیلات شاید مولانا کے رشتہ دار حضرات جو بچپن سے حالات سے واقف ہوں، بتلا سکیں گے، لیکن ہم نے جو اپنی آنکھوں سے قدرت کا عجیب معاملہ دیکھا ہے، وہ یہ ہے کہ: ہمارے علم میں ہندو پاک و بنگلہ دیش میں بڑا مدرسہ ایسا کوئی نہیں ہے جس میں ضرورتاً زکوۃ کی تملیک کرا کر اسے حوائج مدرسہ پر صرف نہ کیا جاتا ہو، لیکن حضرت مولانا کے لئے اللہ تعالیٰ نے دیگر عطیات کا جو محض بمد امداد ہوں ایسا وسیع باب

کھولا تھا کہ آپ کے تمام ترقیاتی منصوبے وغیرہ سب ان سے ہی چلتے تھے۔

خداوند کریم نے استغناء بھی بہت بخشا تھا۔ ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ کبھی کبھی معطی حضرات کو آداب بھی سکھاتے تھے کہ زکوٰۃ جس پر واجب ہے وہ خود آ کر دے۔ یہ ضروری نہیں کہ مدرسہ کے لئے رقم لینے کے واسطے مدرسہ ہی کا آدمی بھیجا جائے۔

اسی طرح برسوں سے یہ بھی سنتا آ رہا ہوں کہ جب مدزکوٰۃ کا فنڈ بقدر ضرورت مدرسہ پورا ہوجاتا تھا تو آپ دوسرے ضرورت مند افراد یا مدارس کی طرف توجہ دلادیتے تھے کہ ہمارے یہاں جتنی ضرورت تھی وہ رقم آ گئی ہے، فلاں جگہ ضرورت ہے انہیں دیں۔

حق تعالیٰ کے عجیب معاملات ہی میں سے ایک یہ معاملہ بھی تھا کہ آپ کو علامہ عصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ سے تلمذ مناسبت کاملہ اور قرب حاصل ہوگیا۔ آپ کا یہ تعلق عند اللہ مقبول ہوا جو آخر حیات میں قادیانیوں کے خلاف سیادت تحریک کی شکل میں بھی سامنے آیا۔

آپ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے طریقہ پر مطالعہ کرتے رہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: ڈابھیل کے قیام میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایک ایک بات کی تحقیق کے لئے میں نے پانچ پانچ سو، ہزار ہزار، دو دو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا۔ سرسری نظر ڈال کر اگر کتاب دیکھی جائے تو بہت سے لوگ ایک ایک رات میں پانچ پانچ سو صفحوں کی کتاب دیکھ لیتے ہیں، لیکن اگر بغور و تعمق مطالعہ کیا جائے تو یہ بہت ہی مشکل کام بن جاتا ہے اور مولانا کی مراد یہی تھی۔

ذوق ادب بہت اعلیٰ تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: دیوبند میں مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی (کشمیری) اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا عربی اشعار و قصائد میں مقابلہ رہا کرتا تھا، میں نے دریافت کیا کہ: ان میں کون غالب رہتا تھا؟ تو فرمایا کہ: مفتی شفیع صاحب کے اشعار ان سے بہتر ہوتے تھے۔

خیر المدارس ملتان میں وفاق المدارس العربیہ کے ابتدائی سالوں میں ایک دفعہ علماء سے خطاب فرما رہے تھے کہ درمیان میں مجھے خطاب فرمایا۔ میں متوجہ تو تھا، مگر یہ خیال نہ تھا کہ مجھ سے کیوں خطاب فرما رہے ہیں میں نے قدرے دائیں بائیں دیکھا کہ شاید اس نام کے کوئی اور صاحب ہوں۔ اس پر مجھے دوبارہ مخاطب کیا اور عربی کا ایک شعر سنایا۔ اس کے بعد ایک نشست میں فرمایا کہ فلاں رسالے میں تمہارے شعر مامون دمشقی کے اشعار سے اچھے تھے۔ پھر اپنے قصائد میں سے متحضر اشعار سنائے۔

میں شاعر نہیں ہوں، کبھی کبھار کوئی شعر بن جائے تو یہ شاعری نہیں۔ میں مولانا المرحوم کے حسن التفات وانبساط کو قائم رکھنے کے لئے استاذ محترم مولانا عبد الحق صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے منتخب اشعار سناتا رہا،

مختلف اشعار سناتا رہا۔ ان میں یزید کی طرف منسوب اشعار بھی سنائے جن میں سے اس وقت یہ یاد ہیں:

اغار علی اعطافها من ثیابها اذا لبستها فوق جسم منعم

واحرر کاسات تقبل ثغرها اذا وضعتها موضع اللثم فی الفم

الی ان قال:

لها علم لقمان وصورة یوسف ونغمة داؤد وعفة مریم

ولی حزن یعقوب ووحشة یونس وبلوة ایوب وحسرة آدم

ان اشعار کی شعریت سے بہت محفوظ ہوئے، مکرر بھی سنا اور اسماء انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے استعمال پر شاعر کو برا بھلا بھی کہا۔

حضرت مولانا کا یہ ایک پہلو تھا جو گزرے ہوئے واقعات کے ذیل میں آ گیا' ورنہ مولانا کو بفضل خدا تمام علوم مستحضر تھے۔ منطق کی کتابوں کی عبارتیں بھی یاد تھیں۔ مختلف مجالس میں بہت سی باتیں سامنے آتی رہیں۔

غالباً ۸ جون ۷۴ء کے قریب کی بات ہے کہ حضرت والا اور حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہم دونوں ہی تشریف فرما تھے کہ میں نے منطق کی ایک کتاب کا ذکر کیا کہ وہ مجھے بہت پسند ہے، یہ کتاب مدینہ منورہ میں پھوپھی صاحبہ اخت حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہما کے پاس مولانا کی الماری بھر کتابوں میں سے ایک تھی۔ یہ بوعلی سینا کی لکھی ہوئی ہے اور انہوں نے منطق کے تمام قواعد منظوم کر دیئے ہیں۔ اشعار طلبہ کو آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب پڑھا کر یاد کرادی جائے تو سارے قواعد یاد ہی رہیں گے' مگر میں چاہتا ہوں کہ اشعار کا ترجمہ اور مختصر شرح اردو میں آ جائے۔ دونوں حضرات نے اس مختصر کتاب ''رسالہ'' کو دیکھا اور بہت پسند فرمایا اور فرمایا کہ: شرح کی ضرورت نہیں' ایسے ہی طبع کرا دیں، فرمایا کہ: ہم وفاق کے نصاب میں داخل کر دیں گے۔ ان حضرات کی رائے اس قدر قوی دیکھ کر میں نے اس کے پازیٹو بنوا لئے' لیکن اب مضمون لکھتے وقت ان باتوں کے ساتھ یاد آیا کہ وہ رسالہ ان کی رائے کے احترام میں ویسے ہی طبع کرا دینا چاہئے، اگرچہ میری رائے اب بھی وہی ہے کہ مبتدی کے لئے اس کا ترجمہ مختصر تشریح' تسہیل کے لئے ضروری ہے' مگر کہنا یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی بلندی علم اسے سہل بتلا رہی تھی۔

حضرت مولانا جیسے ظاہراً پاکیزہ تھے' اسی طرح دل بھی صاف رکھتے تھے۔ اسی لئے گفتگو اور تقریر میں وفور جذبات اور رقت قلبی وغیرہ کی کیفیت ہو جاتی تھی۔

طبیعت کی صفائی کی وجہ سے آپ کے لئے شاید یہ ممکن نہ تھا کہ کسی سے ناراض ہوں تو اس سے اس کا اظہار نہ کریں۔ ظاہر و باطن یکساں تھا۔ معلوم ہوتا ہے بناوٹ کی نہ ضرورت تھی نہ قدرت۔

مولانا کا علمی تفوق جو ہمہ جہتی تھا بالخصوص حدیث پاک میں، پھر استغناء اور قبولیت وہبیہ دیکھتے ہوئے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آپ کو کسی اور سے عقیدتمندانہ تعلق ہوگا، لیکن جو مولانا کے ذرا بھی قریب ہوگا اسے علم ہوگا کہ انہیں ہر اس شخص سے تعلق ہو جاتا تھا جس کے بارے میں انہیں معلوم ہو کہ وہ خدا کا صالح بندہ ہے اور ہر اس بزرگ سے عقیدت ہوتی تھی جو واقعی ان کی نظر میں اہل اللہ ہو اور ان سے ایسا معاملہ فرماتے تھے کہ جیسے اپنا بزرگ تسلیم کرلیا ہو۔ باطنی استفادہ فرما رہے ہوں یا بیعت ہوں۔

ایک دفعہ مولانا سے لاہور میں ہی ملاقات ہوئی تو میں نے اثناء گفتگو دریافت کیا کہ آنجناب کا تعلق بیعت کن سے ہے؟ مولانا نے کچھ واقعات ذکر فرمائے اور بتلایا کہ: مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ مولانا نے اپنی بیعت کے سلسلہ میں صرف ان ہی کا اسم گرامی ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا تعلق تو ان سے ہی رہا، اگرچہ دیگر اکابر کا بے حد احترام فرماتے رہے۔

اگست ۷۴ء کی بات ہے کہ مولانا عبدالمعبود صاحب کا ذکر آیا، ان کے بارے میں کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ از روئے حسن ظن ان کے دعاوی کو صحیح سمجھتے ہیں۔

مولانا عبدالمعبود کا نام اور ان کی باتیں میں نے پہلے پہل اپنے ایک دوست مولانا عبدالمجید صاحب سے سنی تھیں جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور سکھر میں کاروبار کرتے ہیں۔ ان کی ملاقات مولانا عبدالمعبود سے سفر حج میں بحری جہاز میں ہوئی تھی۔

اس کے کچھ بعد ۱۹۶۳ء میں مولانا عبدالمعبود لاہور آئے۔ اس وقت متعدد بار ملاقات ہوئی اور خود ان سے بالمشافہ باتیں کرنے کا موقع ملتا رہا۔ مولانا سے میں نے ان کی عمر کے بارے میں خود دریافت کیا اور یہ بھی معلوم کیا کہ آپ سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عمر میں بڑے تھے یا آپ؟ انہوں نے کہا کہ: حاجی صاحب مجھ سے کم از کم دس یا بارہ تیرہ سال بڑے تھے، لیکن خود اپنی موجودہ عمر جو موصوف بتلاتے تھے اس حساب سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک مولانا سے چھوٹی بنتی تھی۔ مولانا کی بتلائی ہوئی عمر اس وقت ہفتہ وار ''چٹان'' میں چھپی تھی۔ اس سے اگلے سال پھر چٹان میں موصوف کے بارے میں مضمون چھپا، اس میں ایک سال نہیں، بلکہ کئی سال عمر زیادہ چھپی۔ نیز حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور تمام اکابر مشائخ دیوبند کے متوسلین کی رائے مولانا عبدالمعبود کے بالکل خلاف تھی، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے شکوک ذکر کروں۔ میں نے عرض کیا کہ: مولانا عبدالمعبود کی باتیں متضاد ہوتی ہیں، اس لئے ان کے بارے میں تردد پیدا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ان کی باتیں حقائق کے بالکل برعکس ہوتی ہیں، مثلاً یہ کہ:

وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ شریک مشورہ اور پھر شریک جہاد رہے ہیں اور بعد میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلقات کا بھی اظہار فرماتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی وغیرہ۔ یہ ذکر فرماتے تھے کہ: ایک مرتبہ وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بریلی میں احمد رضا خان سے ملانے کے پروگرام سے لے گئے تھے۔ ادھر ہمارے اکابر نے ایسے سب رجال کار کا ذکر کر دیا ہے جنہوں نے ذرا بھی ایسے کاموں میں حصہ لیا ہو اور سب ضبط تحریر میں آچکا ہے، ایسا اہم شخص جوان اکابر کے ساتھ شریک معرکہ بھی رہا ہو بقید حیات ہو، سفر بھی بکثرت کرتا رہتا ہو، بلکہ سیاح ہو، حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمہما اللہ سے ان کی ملاقات بھی رہی ہو تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر خدام میں سے کوئی بھی واقف نہ ہو، کوئی تو ذکر کرتا یا پہچانتا۔ میں نے حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہم العالی سے دریافت کیا کہ جناب انہیں جانتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا کبھی حضرت شیخ الہند سے یا اپنے کسی بزرگ سے ان کا ذکر سنا ہے یا نہیں؟ تو حضرت کا جواب آیا کہ:

''نہ میں شخص مذکور سے واقف ہوں' نہ ان کے بارے میں کبھی کسی سے کچھ سنا۔''

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اور حضرت والد صاحب (مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ) جو اس قافلہ مجاہدین' بلکہ تحریک ولی اللہی کے سب سے بڑے مؤرخ ہیں۔ ان سے بالکل ناواقف ہیں، وہ بھی قطعی لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں۔ موصوف کی یہ بے اصل باتیں بہت مشہور ہوگئی ہیں اور باعث اعتراض ہیں۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بہت متاثر ہوئے اور ان دلائل سے اتفاق کیا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا سے حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ: ان کے علم میں خداوند کریم نے بہت برکت دی تھی کہ بہت قریبی جگہ سے جدھر خیال بھی نہ جاتا تھا' استدلال فرمالیتے تھے۔

آخری بار مدرسہ میں تشریف آوری کے موقع پر حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ذکر خیر آیا تو بہت عظیم کلمات ارشاد فرمائے کہ ''وہ اللہ کے ایسے مقبول بندے تھے کہ ان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی اور ان کی خوشنودی خدا کی خوشنودی تھی۔'' من عادی لی ولیاً فقد اذنته بالحرب۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ' کے بعد حضرت مولانا السید اسعد صاحب مدظلہم سے بہت تعلق رہا۔ اسی داعیہ محبت کے تحت انہیں دوبار اپنے یہاں بلایا اور سال گزشتہ مولانا السید ارشد صاحب کے پاکستان آنے کا انتظام فرمایا۔

ان حضرات کو اور خود حضرت مولانا المرحوم کو حضرت مولانا عزیر گل صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے (المتوطن، سخاکوٹ، مالاکنڈ ایجنسی) ان کی قابل رشک نسبتہائے عالیہ کی بناء پر عقیدت ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہر دو حضرات کے لئے سخاکوٹ کے ویزا کا اہتمام فرمایا اور ان کی تشنگی بجھائی۔ جزاہ اللہ خیرا۔

جامعہ مدنیہ میں مولانا کی تشریف آوری سب سے پہلے ۱۹۶۲ء کے قریب ہوئی تھی، اس زمانہ میں مدرسہ مسلم مسجد اور مسجد نیلا گنبد میں تھا۔ طلبہ کی رہائش ان دونوں جگہ کے علاوہ نیلا گنبد میں ایک کرایہ کے مکان میں بھی تھی۔ مولانا کو ختم بخاری شریف کے لئے بلایا گیا تھا پھر خدا نے کیا مدرسہ کی اپنی عمارت کریم پارک میں بننی شروع ہوئی۔ فروری ۶۶ء میں طلبہ و مدرسین یہاں آ گئے۔ اسی سال آغاز موسم سرما میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی دعوت پر ایک جلسہ میں لاہور تشریف لائے اور ایک شب جامعہ میں گزاری، میں کراچی میں تھا۔ یہ اطلاع ملی تو دلی مسرت ہوئی۔ اس کے بعد متعدد بار تشریف آوری ہوئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو مغفرت سے نوازے اور اعلیٰ علیین میں مقام عالی نصیب کرے اور امت مسلمہ کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔ آمین